غلط فہمیاں

از

وکلف اے سنگھ

غلط فہمیاں

تصنیف و تالیف

وکلف اے سنگھ

ناشرین

ایم۔ آئی۔ کے ۳۶ فیروز پور روڈ لاہور

غلط فہمیاں

تصنیف و تالیف

وکلف اے سنگھ

ناشرین

ایم۔آئی۔کے ۳۶ فیروز پور روڈ لاہور

بار — بیس

تعداد — دوہزار

ہدیہ — ۶ روپے

سنہ ۲۰۰۵ء

اُردو ایڈیشن کے جُملہ حقوق بحق ناشر، ایم۔ آئی۔ کے، لاہور محفوظ ہیں۔

مینیجر ایم۔ آئی۔ کے ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور نے حیدری پریس، لاہور سے چھپوا کر شائع کیا۔

دیباچہ

ساری تمجید، عزّت اور حمد و ثنا اُسی واحد و برحق قادرِ مطلق خُدا کی ہو جو زمین اور آسمان کا خالق و مالک ہے۔ آمین

غیر مسیحی دوستوں کے ذہن میں مسیحیوں کے عقائد سے ناواقفیّت کے باعث کافی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ہم نے اِس کتابچے میں چند ایک کا ذکر کر کے انہیں دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

قارئینِ کرام سے مودّبانہ التماس ہے کہ وہ یہاں بیان کردہ حقائق پر بڑی سنجیدگی اور منصفانہ رُوح سے غور کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر آپ تحقیق کی غرض اور غیر جانبدارانہ نظر سے اِس کتابچے کا مطالعہ کریں گے تو اللہ تعالےٰ آپ کے دل و دماغ کو اپنی رحمت سے منوّر کرے گا اور آپ پر تمام سچّائی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔

مُصنّف

پہلی غلط فہمی

مسیحیت ایک غیر ملکی مذہب ہے یعنی یورپ سے آیا ہے۔

جواب:۔ جیسا کہ تاریخ کے اوراق سے ظاہر ہے کہ کُل انبیائے کرام ایشیا میں پیدا ہوئے۔ حضور المسیح مشرقِ وسطیٰ کے ایک ملک فلسطین میں مبعوث ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے حواریوں کو حکم دیا کہ وہ تمام دنیا میں انجیلِ جلیل کا پیغام جان فزا پہنچائیں۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ "تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو۔" (انجیلِ جلیل، مرقس ۱۶: ۱۵)۔ چنانچہ اِس ارشادِ اعظم کی پیروی کرتے ہوئے حواری دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے۔ ان کی مساعیِ جمیلہ کی بدولت لوگ جوق در جوق حلقہ بگوشِ مسیحیت ہوئے۔ مشرق کی نسبت مغربی ممالک کے لوگ زیادہ تعداد میں ایمان لائے لیکن مشرقی ممالک مثلاً عراق، ایران، مصر، ہندوستان، چین اور افریقہ میں بھی متعدد کلیسیائیں قائم ہوئیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مسیحیت کا سہرا

حضور المسیح کے ایک حواری حضرت توما کے سر ہے۔ روایت ہے کہ وہ پہلی صدی عیسوی میں ہندوستان تشریف لائے اور متعدد کلیسیائیں قائم کیں اور بالآخر مدراس کے قریب شہادت پائی۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پہلی صدی عیسوی میں ہندوستان میں مسیحی آباد تھے اور کلیسیائیں پائی جاتی تھیں۔

غالباً اِس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو انہوں نے بھی اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کر دی۔ پس تاریخِ مذاہب سے ناواقفیت کے باعث لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ پاک و ہند میں مسیحیت انگریزوں کی مرہونِ منت ہے، لیکن یہ خیال حقائق اور تاریخ کی روشنی میں سراسر غلط ہے۔ مسیحیت ایشیائی مذہب ہے اور ہندوستان میں مسیحیت کی جڑیں یورپین اقوام کی آمد سے صدیوں پیشتر موجود تھیں۔

دوسری غلط فہمی

وہ تمام لوگ جو مسیحی کہلاتے ہیں حضور المسیح کے شاگرد ہیں ۔

جواب :۔ بائبل مقدس کی تعلیم کے مطابق ہر وہ شخص جو مسیحی خاندان میں پیدا ہوتا ہے مسیحی نہیں ہے ۔ سچا مسیحی وہی ہے جو یہ جانتے ہوئے کہ وہ گنہگار ہے انجیل جلیل کے اس پیغام پر پورے دل سے ایمان لے آیا کہ حضور المسیح گنہگاروں کو نجات دینے کے لئے اس دنیا میں آئے اور آپ کو اپنا شخصی نجات دہندہ قبول کرتا ہے ۔ حضور المسیح کو قبول کرنے کے بعد اس کی زندگی میں یہ فرق پیدا ہوتا ہے کہ پہلے وہ گناہ کو پیار کرتا تھا مگر اب وہ اُس سے نفرت کرتا اور اِس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے ۔ بے شک اس سے سہواً گناہ سرزد تو ہوتا ہے لیکن اب وہ فوراً اللہ تعالےٰ سے اُس کی معافی مانگتا ہے اور آئندہ اس کا مرتکب نہ ہونے کا عہد کرتا ہے ۔ پہلے وہ اللہ تعالےٰ کی عبادت و پرستش تو کرتا تھا مگر فرض سمجھتے ہوئے ۔ اب وہ دل و جان سے اُس کی پرستش کرتا، اُس سے سچی محبت رکھتا اور اس کا اظہار اپنے چال چلن سے کرتا

ہے ۔ اب وہ بدی کے عوض بدی نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ نیکی کے درپے رہتا ہے ۔ حضور المسیح کے سچے شاگرد کی یہی نشانی ہے ۔

اکثر لوگ جو مسیحی کہلاتے ہیں درحقیقت مسیحی نہیں ہیں ۔ انکی بُری اور گناہ آلود زندگیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کا حضور المسیح سے کوئی تعلق نہیں ۔ وہ نام نہاد مسیحی ہیں اور حضور المسیح کے شاگرد ہرگز نہیں ہو سکتے ۔ لازم ہے کہ ہم حقیقی مسیحیوں میں جو تعداد میں تھوڑے ہیں اور نام نہاد مسیحیوں میں امتیاز کریں چاہے وہ یورپین، امریکن یا پاکستانی ہی کیوں نہ ہوں ۔

تیسری غلط فہمی

مسیحی تین۳ خداؤں کو مانتے ہیں۔

جواب:- اکثر غیر مسیحی، مسیحی عقائد سے ناواقفیت کی بِنا پر صرف سُنی سنائی باتوں کا یقین کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ مسیحی تین خداؤں کو مانتے ہیں۔

مسیحی ہرگز ہرگز تین خداؤں کو نہیں مانتے۔ وہ خدائے واحد کی جو تمام جہان کا خالق و مالک ہے پرستش کرتے ہیں۔ "یہ سب کچھ تجھ کو دکھایا گیا تاکہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں" (توریت شریف، استثناء ۴: ۳۵۔ مزید دیکھئے انجیلِ جلیل ۱۔تیمتھیس ۲: ۵)، البتہ مسیحی ذاتِ خدا میں تین اقانیم باپ، بیٹا اور رُوح القدس کے قائل ہیں۔

اللہ تعالےٰ کا علم حاصل کرنے کے دو۲ ذرائع ہیں۔ ایک اُس کی تخلیق کیونکہ ہر تخلیق اپنے خالق پر دلالت کرتی ہے اور دوسرا اس کا کلام جو کتابِ مُقدّس کی صورت میں ہم تک پہنچا اور یہ سب سے محکم ذریعہ ہے۔ آیئے ہم اُن دونوں ذرائع پر غور کریں

اور دیکھیں کہ اللہ تعالےٰ کی شخصیّت کیسی ہے یعنی یہ کہ اس کی ذاتِ اقدس، وحدتِ محضہ ہے یا مرکّب۔

۱- ہر بنی ہوئی چیز میں اس کے بنانے والے کی جھلک نظر آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم مخلوق کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اُس کا خالق کیسا ہے۔ مثلاً اگر آپ علامہ اقبالؔ مرحوم کے متعلق جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کیسے تھے تو یہ آپ ان کی تمام تصنیفات کو پڑھنے سے معلوم کر سکتے ہیں۔ بعینہٖ اگر ہم اللہ تعالےٰ کے متعلق جاننا چاہتے ہیں تو ہم اُس کی جھلک اس کی تخلیق میں دیکھ سکتے ہیں۔ "جو کچھ خدا کی نسبت معلوم ہو سکتا ہے وہ ان کے باطن میں ظاہر ہے۔ اِس لئے کہ خدا نے اس کو ان پر ظاہر کر دیا۔ کیونکہ اس کی اندیکھی صفتیں یعنی اس کی ازلی قدرت اور الوہیت دنیا کی پیدائش کے وقت سے بنائی ہوئی چیزوں کے ذریعہ سے معلوم ہو کر صاف نظر آتی ہیں" (انجیل منوّرہ رومیوں ۱: ۱۹-۲۰)۔

اجرامِ فلک میں حق تعالےٰ کی ایک اعلےٰ تخلیق سورج ہے جس کا ہر شخص ہر روز مشاہدہ اور تجربہ کرتا ہے۔ آفتاب واحد ہے لیکن اس میں کثرت پائی جاتی ہے۔ اس میں روشنی ہے جو تمام جہان کو منوّر کرتی ہے۔ اس میں گرمی یا قوّت ہے جو تمام موجودات کو زندگی بخشتی ہے۔ اس کے بغیر کسی زندگی کا بحال رہنا ناممکن ہے۔ روشنی اور گرمی کے پیچھے کوئی شے (ظرف) ہے جسے سورج کہتے

ہیں۔ یہ تینوں ایک ہیں اور علیحدہ نہیں۔ یہ اس کے ذاتی جوہر ہیں اور ان کے باہمی اتحاد سے وہ سورج کہلایا۔ اگرچہ یہ جوہر باہم ایسے پیوست ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جُدا نہیں کیا جا سکتا تاہم یہ اپنا الگ الگ اظہار کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی شاملِ حال نہ ہو تو آفتاب اپنی ذات میں نامکمل ہے بلکہ آفتاب کہلانے کا حقدار بھی نہیں۔ پس ثابت ہے کہ آفتاب بھی بغیر تثلیثِ ذاتی کے کامل نہیں۔

مگر شاید یہ مثال اللہ تبارک و تعالےٰ کی نسبت اتنی موزوں نہیں کیونکہ وہ ذی حیات ہے اور سورج میں زندگی نہیں۔ غالباً انسان کی مثال جو کہ اللہ تعالےٰ کی سب سے اعلےٰ تخلیق ہے اِسے قدرے زیادہ جامعیت سے بیان کرتی ہے۔ انسان واحد ہے لیکن وہ رُوح، جسم اور جان پر مشتمل ہے۔ اگر انہیں الگ الگ کرنے کی کوشش کی جائے تو زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ کیا رُوح انسان ہے؟ کیا جان انسان ہے؟ کیا بدن انسان ہے؟ نہیں، یہ سب مل کر انسان بنتا ہے۔ ایک میں تین ہیں اور تین میں ایک۔ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت۔

ایسی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، اور اگرچہ یہ ذاتِ باری تعالےٰ کی شخصیت کو پُورے طور پر بیان تو نہیں کرتیں تو بھی ان سے اُس کی ذاتِ اقدس کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

پس اگر اللہ تعالےٰ کی تخلیق میں کثرت ہے تو یہ عین قابلِ تصوّر ہے کہ خالق کی وحدت میں بھی کثرت ہے۔

۲۔ مسیحیوں کے تثلیث فی التوحید کے عقیدے کی بنیاد کلامِ پاک پر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

"مَیں وہی ہوں۔ مَیں ہی اوّل اور میں ہی آخر ہوں۔ ۔ ۔ ۔ اور اب خداوند خدا نے اور اُس کی رُوح نے مجھ کو بھیجا ہے۔ ۔ ۔" (کتابِ مُقدّس یسعیاہ ۴۸: ۱۲-۱۶)۔

عہدِ عتیق (توریت، زبور، صحائف انبیاء) میں تثلیث فی التوحید کو اشارۃً بیان کیا گیا ہے، لیکن انجیل میں اسے صاف طور سے ظاہر کیا گیا ہے۔ مثلاً حضور المسیح کے بپتسمہ کے وقت آپ پر رُوح کبوتر کی شکل میں نازل ہُوا اور باپ کی آواز سنائی دی کہ "یہ میرا پیارا بیٹا ہے" (انجیلِ جلیل متّی ۳: ۱۶-۱۷)۔ پھر آپ نے اپنے حواریوں کو حکم دیا کہ وہ ایمان لانے والوں کو "باپ، بیٹے اور رُوح القدس کے نام سے بپتسمہ دیں" (انجیلِ جلیل متّی ۲۸: ۲۹)۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ "ناموں" سے نہیں بلکہ "نام" سے بپتسمہ دینے کو کہا گیا ہے۔ اِس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے واحد میں کثرت ہے۔

تثلیث فی التوحید کا مسیحی عقیدہ خلافِ عقل نہیں کیونکہ کوئی وحدت بھی کثرت کے بغیر مکمل نہیں۔ اگر آپ اللہ تعالےٰ کی تخلیق پر گہری نظر ڈالیں تو آپ پر روشن ہو جائے گا کہ ان میں وحدت

کے باوجود کثرت پائی جاتی ہے اور کتابِ مُقدّس کی تعلیم بھی یہی ہے۔ پس مسیحی اپنے مشاہدے اور کتابِ مُقدّس کی تعلیم کی بنیاد پر یہ ایمان رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ ذاتِ باری تعالےٰ کی وحدت کثرت کے بغیر ممکن نہیں۔

تاہم، محدود انسان، لامحدود خدا کی ذاتِ اقدس کو پُورے طور پر سمجھنے کے قابل نہیں۔ وہ یہ نہیں جان سکتا کہ توحیدِ الٰہی میں کثرت کیوں ہے! انسانی عقل، انسانی حکمت اور انسانی دانائی خدا کی ذات کو پورے طور پر کبھی بھی نہیں سمجھ سکتی۔ اگر ایسا کرنے کی کوئی کوشش کرے گا تو اس کا نتیجہ یقیناً کفر کی صورت میں نکلے گا۔ اِس حقیقت کو بائبل مُقدّس یوُں بیان کرتی ہے۔

"کیا تُو تلاش سے خدا کو پا سکتا ہے؟
کیا تو قادرِ مطلق کا بھید کمال کے ساتھ دریافت کر سکتا ہے؟
وہ آسمان کی طرح اُونچا ہے، تو کیا کر سکتا ہے؟
وہ پاتال سے گہرا ہے، تو کیا جان سکتا ہے؟"
(بائبل مُقدّس ایوب ۱۱: ۷، ۸)۔

اِنسان، اللہ تعالےٰ کے بارے میں صرف اتنا ہی جان سکتا ہے جتنا کہ اُس نے اپنی خوشی سے اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔ ہم مسیحی، ذاتِ الٰہی کے بھید کے بارے میں صرف اِن باتوں

پر ہی ایمان رکھتے ہیں جو اُس نے خود اپنی کتابِ مُقدّس میں ہم پر ظاہر کی ہیں۔ اور اگرچہ ہم انہیں پورے طور پر نہ بھی سمجھتے ہوں تو بھی اُن کو ایمان کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے حق تعالےٰ نے اپنے کلامِ پاک میں ہم پر روشن کر دیا ہے کہ وہ واحد خدا ہے اور تین نہیں، تاہم اُس کی ہستی میں تین[۳] اقنوم ہیں جو باپ، بیٹا اور رُوح اُلقدُس کے نام سے نامزد ہیں۔ وہ اپنی ذات و صفات میں یکساں و برابر اور ابدی و دائمی ہیں۔

حضور یسوعؔ مسیح کی زندگی کے مُطالعہ سے بھی ذاتِ الٰہی کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ آپ حق تعالےٰ کے پُراسرار مظہر ہیں۔ انجیل شریف میں لکھا ہے "خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا، اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اُسی نے ظاہر کیا" (انجیل منوّرہ یُوحنّا ۱: ۱۸)

حضور المسیح اُن سب پر خدا باپ کو ظاہر کر دیں گے جو گُناہ کو چھوڑنے اور اُس کے کلامِ پاک کی طرف اِس نیّت سے دھیان دینے کو تیار ہیں کہ جو کچھ ذاتِ باری تعالےٰ نے اپنی نسبت ظاہر کیا ہے وہ اُسے قبول کریں گے۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ خدا کے کلام کو، خاص طور پر نئے عہد نامہ یعنی انجیلِ مُقدّس کو پڑھیں تاکہ آپ اِس بھید کو کہ خدائے واحد میں تین[۳] اقنوم یعنی باپ، بیٹا اور رُوح اُلقدُس ہیں پورے طور پر سمجھ سکیں۔

چوتھی غلط فہمی

مسیحی حضرت عیسےٰ کو اللہ تعالےٰ کا بیٹا مانتے ہیں جبکہ اللہ تعالےٰ کی بیوی نہیں اور نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس سے کوئی جنا گیا۔

جواب :- ہماری روزمرّہ کی بول چال میں لفظ "بیٹا" والدین کی اولاد کے علاوہ اور بھی کئی لوگوں کے لئے مستعمل ہے۔ مثلاً زمانہ ساز کو ابن الوقت یعنی وقت کا بیٹا کہا جاتا ہے اور مسافر کو ابن السبیل یعنی راہ کا بیٹا۔ اگر کوئی شخص سرتاپا بدی ہو تو اُسے ابلیس کا فرزند کہتے ہیں۔ کیا اُس وقت کوئی اِس سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص ابلیس اور اس کی بیوی سے پیدا ہُوا ہے؟ یا اگر کسی کو ابوجہل کہہ کر پکارا جائے تو کیا جہالت کی بیوی لازم آتی ہے؟

بائبل مُقدّس میں بھی لفظ "بیٹا" یا "فرزند" مختلف معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔ مثلاً

اسرائیل میرا بیٹا بلکہ پہلوٹھا ہے۔ (توریت شریف خروج ۴: ۲۲)

تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو۔ (" " استثنا ۱۴: ۱)

شرارت کے فرزند ۔ (کتابِ مُقدّس ۲-سموئیل ۷: ۱۰)-

صیّون کے عزیز فرزند۔ (" " نوحہ ۴: ۲)-

سلامتی کا فرزند ۔ (انجیلِ جلیل لوقا ۱۰: ۶)-

ہلاکت کے فرزند۔ (" " یوحنّا ۱۷: ۱۲)-

ابلیس کے فرزند۔ (" " اعمال ۱۳: ۱۰)-

پس ہم اِس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ "بیٹا" صرف اُسی کو ہی نہیں کہا جاتا جو باپ کے صُلب اور ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے بلکہ یہ لفظ استعارۃً اور مجازی معنوں میں بھی مستعمل ہے۔

اِس اعتراض سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور المسیح کے "ابن اللہ" کے لقب سے یہ سمجھا گیا ہے کہ آپ اُن معنوں میں اللہ تعالےٰ کے بیٹے ہیں جیسے ہم اپنے والدین کے ہیں۔ مسیحی ان معنوں میں حضور المسیح کو ہرگز ہرگز اللہ تعالےٰ کا بیٹا نہیں مانتے۔ یہ انکے نزدیک کُفر ہے۔ مسیحی آپ کو روحانی معنوں میں "خُدا کا بیٹا" مانتے ہیں کیونکہ آپ ذاتِ الٰہی میں تثلیث کے دوسرے اقنوم ہیں۔ "اپنے بیٹے ہمارے خداوند یسوؔع مسیح کی نسبت وعدہ کیا تھا جو جسم کے اعتبار سے تو داؔؤد کی نسل سے پیدا ہوا لیکن پاکیزگی کی رُوح کے اعتبار سے مرُدوں میں سے جی اٹھنے کے سبب سے قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا"، (انجیل جلیل رومیوں ۱: ۳-۴) - اِس لقب کا سب سے اہم مطلب یہی ہے اور یہ ان حوالجات سے بھی بخوبی عیاں ہے۔

انجیلِ جلیل متی ۱۴ : ۲۸-۳۳ ؛ ۱۶ : ۱۶ ؛ ۲۱ : ۳۷-۴۶ ؛ ۲۲ : ۴۱-۴۶ ؛ ۲۶ : ۶۳-

اِنجیلِ جلیل کے مذکورہ بالا حوالجات سے صاف عیاں ہے کہ حضور المسیح نے علانیہ طور پر کہا کہ آپ روحانی معنوں میں خدا کے بیٹے ہیں اور خدا آپ کا باپ ہے۔ اِسی وجہ سے یہودی آپکو قتل کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔ یہودیوں نے کہا "اچھے کام کے سبب سے نہیں بلکہ کفر کے سبب سے تجھے سنگسار کرتے ہیں اور اِس لئے کہ تو آدمی ہو کر اپنے آپ کو خدا بناتا ہے" (انجیلِ جلیل یوحنا ۱۰ : ۳۳)۔

حضور المسیح نے دعوےٰ کیا کہ آپ اور باپ ایک ہیں اور کہ آپ اُس میں سے نکلے اور آئے ہیں۔ جب کبھی آپ نے خود کو خدا کا بیٹا یا خدا کو اپنا باپ کہا تو یہودیوں نے یہی سمجھا کہ آپ خود کو اللہ تعالےٰ کے برابر بناتے ہیں (انجیلِ جلیل یوحنا ۵ : ۱۸ ؛ ۱۹ : ۷)، بریں بنا یہودیوں نے آپ کو صلیب بھی دی۔ ملاحظہ فرمائیں "انھوں نے اُسے اپنی صدرِ عدالت میں لے جا کر کہا . . . . کیا تو خدا کا بیٹا ہے؟ اس نے اُن سے کہا تم خود کہتے ہو کیونکہ میں ہوں۔ انھوں نے کہا اب ہمیں گواہی کی کیا حاجت رہی کیونکہ ہم نے خود اُسی کے مُنہ سے سن لیا ہے" (انجیلِ جلیل لوقا ۲۲ : ۶۶، ۷۰، ۷۱)۔

حضور المسیح کے اِس دعوےٰ میں کہ آپ اللہ تعالےٰ کے بیٹے ہیں ایک مخفی اشارہ تھا کہ آپ تثلیث فی التوحید کے اقنومِ ثانی ہونے کے باعث خدا ہیں اور یہودی راہنما یہ خوب سمجھتے تھے۔ پھر آپکے کام اور تعلیم بھی اس کی تصدیق کرتے تھے۔ مثلاً آپ نے فرمایا جس طرح باپ مُردوں کو اٹھاتا اور زندہ کرتا ہے اُسی طرح بیٹا بھی جنہیں چاہتا ہے زندہ کرتا ہے کیونکہ باپ کسی کی عدالت بھی نہیں کرتا بلکہ اُس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے۔" (انجیلِ جلیل یوحنا ۵ : ۲۱-۲۲)۔ عدالت کرنا اور زندگی بخشنا الٰہی کام ہیں۔ آپ دعوےٰ کرتے ہیں کہ آپ کو ان کاموں کو کرنے کا اختیارِ کلی حاصل ہے۔ یہ محض دعوےٰ ہی نہیں تھا بلکہ آپ نے عملی طور پر بھی اس کا اظہار کیا۔ مثلاً اِنجیلِ جلیل مرقس ۲ : ۱-۱۲ میں مرقوم ہے۔

"کئی دن بعد جب وہ کفرنحوم میں پھر داخل ہُوا تو سُنا گیا کہ وہ گھر میں ہے۔ پھر اتنے آدمی جمع ہو گئے کہ دروازہ کے پاس بھی جگہ نہ رہی اور وہ ان کو کلام سنا رہا تھا۔ اور لوگ ایک مفلوج کو چار آدمیوں سے اُٹھوا کر اس کے پاس لائے۔ مگر جب وہ بھیڑ کے سبب سے اُس کے نزدیک نہ آ سکے تو انھوں نے اُس چھت کو جہاں وہ تھا کھول دیا اور اُسے ادھیڑ کر اس چارپائی کو جس پر مفلوج لیٹا تھا لٹکا دیا۔ یسوع نے ان کا ایمان دیکھ

کر مفلوج سے کہا بیٹا تیرے گناہ معاف ہوئے۔ مگر وہاں بعض فقیہہ جو بیٹھے تھے۔ وہ اپنے دلوں میں سوچنے لگے کہ یہ کیوں ایسا کہتا ہے؟ کفر بکتا ہے۔ گناہ کون معاف کر سکتا ہے سوا ایک یعنی خدا کے؟ اور فی الفور یسوع نے اپنی رُوح سے معلوم کر کے کہ وہ اپنے دلوں میں یوں سوچتے ہیں ان سے کہا تم کیوں اپنے دلوں میں یہ باتیں سوچتے ہو؟ آسان کیا ہے؟ مفلوج سے یہ کہنا کہ تیرے گناہ معاف ہوئے یا یہ کہنا کہ اٹھ اور اپنی چارپائی اُٹھا کر چل پھر؟ لیکن اس لئے کہ تم جانو کہ ابنِ آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے (اس نے اُس مفلوج سے کہا) میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ اپنی چارپائی اُٹھا کر اپنے گھر چلا جا۔ اور وہ اٹھا اور فی الفور چارپائی اٹھا کر اُن سب کے سامنے باہر چلا گیا۔" یہودی دینی پیشواؤں نے درست کہا تھا کہ "خدا کے سوا کون گناہ معاف کر سکتا ہے؟"

حضور المسیح پیدائش کے لحاظ سے اللہ تعالےٰ کے بیٹے نہیں بلکہ اِس لئے کہ آپ تثلیث فی التوحید کے دوسرے اقنوم ہیں۔ پس آپ ازل سے بیٹے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ زمین پر تھے تو آپ نے خود کو بطور پردیسی ظاہر کیا۔ آپ آسمانی ہیں اور انسان زمینی۔ آپ کا وطن یہ دنیا نہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا "تم نیچے کے ہو میں اُوپر کا ہوں۔ تم دنیا کے ہو۔ میں دنیا کا نہیں ہُوں،" (انجیلِ جلیل

یوحنا ۸: ۲۳)۔ آپ باپ سے ہیں اور جیسے باپ ازلی اور ابدی ہے آپ بھی ازلی اور ابدی ہیں۔ بدیں وجہ آپ نے یہودی راہنماؤں کو کہا "پیشتر اُس سے کہ ابرہام پیدا ہُوا مَیں ہُوں" (انجیل جلیل یُوحنا ۸: ۵۸)، اور کہ "مَیں اور باپ ایک ہیں" "جس نے مجھے دیکھا باپ کو دیکھا" (انجیلِ جلیل یُوحنا ۱۰: ۳۰؛ ۱۴: ۹)۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم حضور المسیح کو جانتے اور آپ پر ایمان لاتے ہیں تو حق تعالےٰ کو دیکھتے اور اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ با الفاظِ دیگر، جب ہم آپ کو جو آسمان سے ہیں اور ازلی ہیں دیکھتے ہیں تو ہمیں آپ میں اللہ تعالےٰ کا ظہور نظر آتا ہے۔ آپ مظہرِ خدا ہیں اور یہی بیٹے کا مطلب ہے۔

حضور المسیح کا مجسّم ہو کر دنیا میں آنا ایک بہت بڑا بھید ہے، اور وہ یہ ہے کہ آپ کی ذاتِ اقدس میں خدائے قادر نے خود انسانی جامہ پہن لیا۔ انجیلِ جلیل یوحنا ۱: ۱، ۱۴ میں مرقوم ہے۔

" ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا ... کلام مجسّم ہُوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اُس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔"

اہل اسلام بھی حضور المسیح کو "کلمتہ اللہ"، یعنی خدا کا کلام کہتے ہیں۔ کسی شخص کا کلام یا مُنہ کی باتیں اُس شخص کی شخصیت اور

اس کے دِلی و دماغی حالات کا پتہ دیتی ہیں۔ ہم دوسروں کو اُنکی
باتوں یا ان کے تحریری کلام سے سمجھ سکتے ہیں۔ اِسی طریقے سے
ہم خدا کے متعلق بھی جان سکتے ہیں یعنی اس کے تحریری کلام سے
جو بائبل مُقدّس ہے۔ بعینہٖ ہم حضور المسیح کی شخصیّت سے جو
خدائے قادر کے مجسّم یا زندہ کلام ہیں اس کی الوہیّت کے بھید
کو کچھُ نہ کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

آپ کو علم ہی ہے کہ خالق اور مخلوق میں زمین و آسمان کا فرق
ہے اور ان دونوں کے درمیان گناہ کی ایک عظیم خلیج واقع ہے۔
اِنسان اس خلیج کو عبور کر کے حق تعالےٰ سے نہیں مل سکتا۔ پس
خدا اس خلیج پر پل باندھنے کے لئے حضور المسیح کی صورت میں
مجسّم ہُوا تاکہ انسان اُس سے مل سکے۔ یاد رہے کہ لامحدود خدا
کا اپنے آپ کو ظاہر کرنا ہمارے علم اور سمجھ کی حدود کے اندر اندر
ہوتا ہے یعنی جہاں تک ہماری سمجھ اور علم پہنچ سکتا ہے خدا وہاں
تک ہی اپنے آپ کو انسان پر ظاہر کرتا ہے۔

اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ الٰہی ذات اور انسانی ذات کا
اجتماع کیونکر ممکن ہے؟ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ انسان میں رُوح
اور جسم یعنی "الفانی" اور "الباقی"، (فانی اور غیر فانی) کا باہمی اجتماع
کِس طرح سے ممکن ہے؟ اگر الفانی اور الباقی کا اس طرح انسان
میں باہم مل جانا ممکن ہے تو کیا ابدی خدا مجسّم ہونے پر قادر نہیں

تاکہ انسان کے گناہوں کی معافی کی راہ نکالنے کے مقصد کو پورا کر سکے؟
قادرِ مطلق خدا تمام کائنات کا خالق و مالک اپنی لامحدود دانائی و
پیش بینی سے جو کچھ چاہتا ہے اُسے عمل میں لانے پر قادر ہے۔
اگرچہ ہم ان باتوں کو پورے طور پر سمجھ نہیں سکتے تاہم ہمارا ان پر
ایمان ہے کیونکہ خدا نے ان کو اپنے کلامِ پاک میں ظاہر کیا ہے۔

اِنجیل مُقدّسہ سے ہمیں یہ علم بھی حاصل ہوتا ہے کہ خداوند مسیح
کی الٰہی ذات اور اِنسانیّت میں ایسا رشتہ ہے کہ نہ تو انسانیّت
الوہیّت میں تبدیل ہوتی ہے اور نہ الوہیّت کا انسانیت کے ساتھ
مختلط ہونے کا امکان ہے۔ دو فطرتیں، الٰہی اور انسانی ایک ایسے
لاثانی اور ناقابلِ فہم رشتے میں باندھی گئی ہیں جو باہم مل کر ایک ذات
بن گئی ہیں، جس میں ایک ہی قوّتِ مُتخیّلہ اور قوتِ ارادہ ہے۔ یہ
قوتِ مُتخیّلہ اور قوتِ ارادہ باہم انسانی اور الٰہی دونوں صفات کا
مجموعہ ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضور یسوؔع مسیح کامل انسان اور
کامل خدا ہیں۔ کامل انسان کی صورت میں آپ بالکل بے گناہ تھے
اور ہمیشہ ایسے کام کرتے تھے جو آپ کے آسمانی باپ کو پسند آتے
تھے۔ الوہیّت کی پُوری معموری رکھتے ہوئے اور زندگی کے بانی
ہونے کے باعث ممکن نہ تھا کہ آپ موت کے قبضہ میں رہتے اور
یوں زندگی کے شاہزادہ تیسرے دِن موت اور عالمِ ارواح کی
کنجیاں اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے مُردوں میں سے جی اُٹھے اور اس

کو جسے موت پر قدرت حاصل تھی یعنی ابلیس کو مغلوب کر دیا۔ موت پر فتح مند ہو کر اب آپ اُن سب کو جو آپ پر ایمان لاتے ہیں، مردوں میں سے زندہ کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے ساتھ رکھیں گے۔

خدا کے بیٹے کا لقب جو حضور المسیح کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اُسے مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں سمجھنا چاہیئے اور اُسے کسی صورت میں بھی نفسانی، دنیوی اور جسمانی معنوں میں نہیں لینا چاہیئے۔ خدا کا بیٹا ازل سے ایسا ہی چلا آتا ہے اور خدا باپ اور خدا رُوح القدس کے ساتھ ذات و صفات اور ابدیّت میں برابر ہے۔ اُسی کے وسیلہ سے سب چیزیں پیدا ہوئیں، اور جب وقت پُورا ہُوا تو آپ خدا باپ کی معرفت ایک عورت سے پیدا ہونے کے لئے دنیا میں بھیجے گئے تاکہ آپ اُس بدن کو اختیار کریں جو آپ کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ انجیلِ منوّرہ میں مرقوم ہے:-

"جب وقت پُورا ہو گیا تو خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا جو عورت سے پیدا ہُوا اور شریعت کے ماتحت پیدا ہُوا" (انجیلِ جلیل گلتیوں ۴:۴)۔

"وہ دنیا میں آتے وقت کہتا ہے کہ تُو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کیا بلکہ میرے لئے ایک بدن تیار کیا" (انجیلِ جلیل عبرانیوں ۱۰:۵)۔

آپ اپنی جان کو فدیہ میں دے کر اُن کو چھڑانے کے لئے آئے

جو گناہ کرنے کی وجہ سے موت کی سزا کے ماتحت تھے۔ اللہ تعالےٰ کو انسان سے کیسی محبت ہے کہ وہ اس کی خاطر اتنا کچھ کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔

"خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے کیونکہ خدا نے بیٹے کو دنیا میں اس لئے نہیں بھیجا کہ دنیا پر سزا کا حکم کرے بلکہ اس لئے کہ دنیا اس کے وسیلہ سے نجات پائے۔ جو اُس پر ایمان لاتا ہے۔ اُس پر سزا کا حکم نہیں ہوتا، جو اس پر ایمان نہیں لاتا اُس پر سزا کا حکم ہو چکا، اس لئے کہ وہ خدا کے اکلوتے بیٹے کے نام پر ایمان نہیں لایا" (انجیلِ جلیل یوحنّا ۳:۱۶-۱۸)۔

پانچویں غلط فہمی

"بائبل مُقدّس میں تحریف اور ردّوبدل ہو چکا ہے، یہاں تک کہ وہ اصلی بائبل مقدس نہیں رہی جو اللہ تعالےٰ نے آسمان سے نازل کی تھی۔"

جواب: یہ ایک عام فتویٰ ہے جو اعتراض کرنے والے بائبل مُقدّس پر اکثر لگاتے ہیں۔ اگر یہ درست ثابت کیا جا سکے تو بہت اہم بات ہو گی۔ پس ہمیں سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ مخالفین کی تحریف سے مراد کیا ہے؟ کیا اِسکا مطلب یہ ہے کہ دیدہ دانستہ بائبل مُقدّس کی تعلیم بدل دی گئی ہے یا فقط چند آیات یا الفاظ تبدیل کیئے گئے ہیں؟

ہم یہاں سب سے پہلے یہ بتانا ضروری خیال کرتے ہیں کہ بائبل مُقدّس میں کسی قسم کا ردوبدل یا تحریف نہیں کی گئی اور نہ اِس کا کوئی جواز ہی ہے۔ البتہ سہو کاتب کا اِمکان ہو سکتا ہے اور یہ ہر ایک کتاب میں پایا جاتا ہے خواہ وہ آسمانی کتاب ہو یا دنیاوی۔ کوئی بھی مسیحی کلامِ اللہ میں تحریف کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ

بائبل مُقدّس میں اللہ تعالےٰ نے سخت تاکید کی ہے "جس بات کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں اِس میں نہ تو کچھ بڑھانا اور نہ کچھ گھٹانا تاکہ تم خداوند اپنے خدا کے احکام کو جو میں تم کو بتاتا ہوں مان سکو" (توریت شریف استثناء ۴: ۲)۔ صدیوں بعد حضرت سلیمان فرماتے ہیں "تو اُس کے کلام میں کچھ نہ بڑھانا مبادا وہ تجھ کو تنبیہ کرے اور تو جھوٹا ٹھہرے" (کتابِ مُقدّس امثال ۳۰: ۶)۔ پھر انجیل جلیل کے آخر میں تنبیہ کی جاتی ہے کہ "اگر کوئی آدمی ان میں کچھ بڑھائے تو خدا اِس کتاب میں لکھی ہوئی آفتیں اُس پر نازل کرے گا۔ اور اگر کوئی اس نبوّت کی کتاب کی باتوں میں سے کچھ نکال ڈالے تو خدا اُس زندگی کے درخت اور مُقدّس شہر میں سے جن کا اِس کتاب میں ذکر ہے اُس کا حصّہ نکال ڈالے گا" (انجیل جلیل مکاشفہ ۲۲: ۱۸-۱۹)۔ حضور المسیح کے حواریوں نے آپ کے ارشاد کے مطابق تمام دنیا میں انجیل کی منادی کی۔ لوگ عام طور پر اور مسیحی خاص طور پر بائبل مُقدّس کی تعلیم سے واقف تھے۔ حضور المسیح کی بعثت سے صدیوں پیشتر عہد عتیق (توریت، زبور، صحائف انبیا) تحریری صورت میں موجود تھا اور جب پہلی صدی عیسوی میں انجیل جلیل احاطۂ تحریر میں لائی گئی تو اُس کی نقلیں دنیا بھر میں ہر کلیسیا کے پاس تھیں۔

فرضِ محال، اگر کوئی بدنیت اور بے ایمان شخص اللہ تعالےٰ

کی کتابِ مقدس میں مرقوم تنبیہ کے باوجود بھی تحریف کرنا چاہے تو دنیا کے لاتعداد بائبل مُقدس کے نسخوں میں کیسے تحریف کر سکتا تھا!

پھر حضور المسیح نے فرمایا کہ "آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی"، (انجیل جلیل متی ۲۴: ۳۵) - عہدِ عتیق میں حضرت یسعیاہ فرماتے ہیں "ہر بشر گھاس کی مانند ہے . . . پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے" (کتابِ مُقدس یسعیاہ ۴۰: ۶-۸) - قرآن شریف بھی بائبل مُقدس کے ہمزبان ہو کر اعلان کرتا ہے کہ "کوئی بدلنے والا نہیں اُس کی باتیں اور "اللہ کی باتیں بدلتی نہیں نہیں" (سورۃ الانعام اور یونس) - اِن فرمودات کے پیشِ نظر کیا کوئی اِنسان اللہ تعالےٰ کے کلام کو بدل سکتا ہے!

ہمارے پاس بائبل مُقدس کے قدیم ترین نسخے موجود ہیں۔ اُن کے ساتھ موجودہ بائبل مُقدس کا مقابلہ کر کے دیکھا جا سکتا ہے کہ تحریف ہوئی ہے یا نہیں - پادری برکت اللہ اپنی کتاب "صحتِ کتبِ مُقدسہ"، میں انجیل جلیل کے قدیم ترین نسخوں کی تعداد کے متعلق بیان کرتے ہیں -

"**دورِ اوّل کے نسخوں کی تعداد** - مذکورہ بالا نسخوں کے علاوہ اس وقت دورِ حاضرہ میں ہمارے ہاتھوں میں پہلی تین صدیوں کے پچاس سے زائد نسخے دستیاب ہوئے ہیں - یہ نسخے مختلف کتبِ عہدِ جدید (انجیل مُقدس) کے مختلف حصوں کے ہیں -" (صفحہ ۲۲۸) -

"**دو نُسخوں کی تعداد** :- یہ زمانہ تقریباً ۶۰۰ سال کا ہے۔ عہدِ جدید کے بہترین نسخے اسی زمانہ کے ہیں - اِس زمانہ کے کل نسخے جو دستیاب ہوئے ہیں تعداد میں ۱۷۰ سے زیادہ ہیں جن میں سے ۵۷ نسخے ایسے ہیں جن میں مختلف کتبِ عہدِ جدید (انجیل) مکمّل طور پر موجود ہیں اور باقی ماندہ نسخے عہدِ جدید کی مختلف کتب کے حصص ہیں - اِن میں سے ایک نسخہ میں مکمل انجیل موجود ہے - چار نسخے ایسے ہیں جن میں عہدِ جدید کی کُل کتب موجود تھیں لیکن اب بعض اوراق کے ضائع ہو جانے کے باعث نامکمل رہ گئے ہیں - نو نسخے ایسے ہیں جن میں انجیل اربعہ تمام و کمال موجود ہے - ثات نسخوں میں رسولوں کے اعمال کی کتاب محفوظ ہے - ثات نسخوں میں مُقدس پولس کے تمام خطوط موجود ہیں - نو نسخوں میں دیگر باقی ماندہ خطوط محفوظ ہیں اور چار نسخوں میں مکاشفات کی کتاب تمام و کمال محفوظ ہے - ان ۱۶۸ نسخوں میں سے ثات چوتھی صدی عیسوی کے ہیں - پچیس ۲۵ پانچویں صدی کے، پینتیس ۳۵ چھٹی صدی کے، پچیس ۲۵ ساتویں صدی کے، بائیس ۲۲ آٹھویں صدی کے، تینتالیس ۴۳ نویں صدی کے اور بارہ ۱۲ دسویں صدی کے نسخے ہیں"، (صفحہ ۲۳۲)

بائبل مُقدس کے یہ نسخے آثارِ قدیمہ کی کھدائی کے دوران مشرقِ وسطیٰ کے مختلف ممالک سے ملے ہیں اور اب مختلف ممالک کی اور نجی لائبریریوں اور عجائب خانوں میں محفوظ ہیں - یہ نسخے مجموعی

طور پر اس بات کے زندہ گواہ ہیں کہ بائبل مُقدّس تحریف و تخریب سے قطعاً پاک ہے۔

تاہم بفرضِ محال یہ الزام تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس فرضی تحریف کی بابت کئی ایک سوالات لازمی اٹھیں گے۔ مثلاً یہ تبدیلی کس نے کی، کب واقع ہوئی، کیوں کی اور کہاں ہوئی؟

۱۔ کون؟ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ وہ کون ہیں جو ایسے بڑے جرم کے مرتکب ہوئے؟ عموماً بتایا جاتا ہے کہ یہودیوں اور مسیحیوں نے مل کر یہ کام کیا۔ لیکن کیا یہ ہو سکتا ہے کہ دو ایسے مخالف فرقے باہم مل کر کلام اللہ میں ردّ و بدل کریں؟ اور اگر اتفاق الرائے سے نہیں بلکہ اپنی اپنی طرف سے ایسا قبیح کام کیا تو تاریخ اس بارے میں کیوں خاموش ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ لازمی تھا کہ یہ دونوں فرقے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے ایک دوسرے کی بے ایمانی ظاہر کرتے۔ اگرچہ حضور المسیح نے یہودیوں کی ریاکاری کو خوب بے نقاب کیا (مثلاً انجیل جلیل متی باب ۲۳) تو بھی آپ نے ان پر یہ الزام کبھی نہیں لگایا کہ انہوں نے کتابِ مُقدّس میں ردّ و بدل کیا ہے۔ اس کے برعکس آپ نے انہیں انہی کتبِ مُقدّسہ سے رجوع کرنے کی تاکید فرمائی۔

اب باقی رہی مسیحی قوم۔ لیکن کیا یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ مسیحی اللہ تعالےٰ کی واضح تنبیہ کے باوجود بھی کتاب اللہ میں تحریف کی جرأت

کر سکتے ہیں؟ کیا وہ اتنے ہی بے ایمان اور ناہنجار ہیں کہ جان بوجھ کر پاک نوشتوں کو بگاڑیں؟ یہ بات بالکل قابلِ تصوّر نہیں ہے کہ ایک شخص جس کتاب کو منجانب اللہ مانتا اور اس پر ایمان رکھتا ہو، اُسی میں تحریف و تبدّل بھی کرے!!!

۲۔ کب؟ لیکن کرئی یہ کام کر بھی گیا ہو تو پھر کب کا سوال اٹھیگا کہ تحریف کب ہوئی؟ کیا کتابِ مُقدّس آنحضرت کے وقت سے پہلے محرّف ہو چکی تھی یا بعد میں ہو گئی؟ فرضاً تحریف آنحضرت صلعم کے زمانہ سے پہلے ہوئی تو کیا قرآن شریف ایک محرّف کتاب کا مُصدّق ہے!! اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف اہلِ اسلام کو تلقین کرتا ہے کہ "سو اگر تو ہے شک میں اس چیز پر جو اتاری ہم نے تیری طرف تو پوچھ اُن سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے آگے" (سورہ یونس آیت ۹۴)۔ پس ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں کتابِ مُقدّس ہر قسم کی تحریف سے پاک تھی۔

باقی رہا یہ امکان کہ شاید آنحضرت کے زمانہ کے بعد تحریف ہوئی ہو تو عرض ہے کہ دنیا کے مختلف عجائب گھروں میں بائبل مُقدّس کے ایک نہیں سینکڑوں نسخے اصل زبان میں اس وقت موجود ہیں۔ انجیلِ مُقدّس کے تمام ترجمے انہی پُرانے نسخہ جات پر مبنی ہیں۔ چنانچہ ہم لازمی طور پر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بائبل مُقدّس اپنی اصل حالت میں اب تک موجود ہے۔

۳۔ کیوں؟ یہ سوال بھی قابلِ غور ہے کہ تحریف کرنے سے یہودیوں اور مسیحیوں نے کیا الّو سیدھا کرنا چاہا؟ وہ کام جس کا ان پر الزام لگایا جاتا ہے انہوں نے کیوں کیا؟ اس کے مختلف جواب دیئے جاتے ہیں، لیکن اکثر اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلعم کی بشارت کو بائبل سے مٹانے کی خاطر یہ کام کیا۔ لیکن کیا یہ بات قابلِ تسلیم ہے کہ کوئی گروہ جس کا مقصد صرف یہی تھا کہ اس قسم کے حوالجات اور اشارات مٹا ڈالے، اتنا کچا کام کرتا کہ اُن حوالجات کو باقی رہنے دیتا جن کا حوالہ اب تک اہلِ اسلام دیتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک مفروضہ ہے جس کا حقیقت سے کچھ واسطہ نہیں۔ اگر مسیحیوں یا یہودیوں کا یہ مقصد ہوتا تو وہ مکمل طور پر اپنا کام کر جاتے اور یوں اس الجھن سے بچے رہتے۔

۴۔ کہاں؟ لیکن اگر اہلِ اسلام کا یہ دعوےٰ مان بھی لیا جائے کہ بائبل مُقدس میں تحریف ہو چکی ہے تو کیا مناسب نہیں کہ کتابِ مُقدّس کا وہ اصل قلمی نسخہ دکھایا جائے تاکہ اس کا مقابلہ زمانہ حال کے مروّجہ بائبل مقدس کے تراجم سے کر کے فرق معلوم کیا جا سکے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ برادرانِ اسلام کے پاس اِس قسم کا کوئی مستند نسخہ موجود ہی نہیں۔

دراصل، حضور المسیح پر کوئی انجیل نازل ہی نہیں ہوئی جیسا کہ

اہلِ اسلام میں مشہور ہے اور نہ آپ نے کوئی انجیل تحریر کی یا لکھوائی۔ آپ تو خود مجسّم کلام تھے اور آپ کا ہر لفظ وحی کا درجہ رکھتا تھا۔ حواریوں نے آپ کے فرمودات اور تعلیمِ عالیہ کو اس زمانہ کی ادبی اور عالمگیر زبان یونانی میں لکھا۔ ہمارے پاس ان ہی ابتدائی یونانی مخطوطات کی نقلیں اور ترجمے ہیں، اور یہی حال اہلِ اسلام کا بھی ہے۔ آنحضرت نے جن ہڈیوں، پتھروں، چمڑے کے پارچہ جات پر قرآن لکھوایا تھا جو قرآن شریف کی ابتدائی شکل تھی اب ناپید ہے۔ مروّجہ قرآن انہیں سے نقل کیا گیا ہے۔ مختصراً یہ کہ مسیحیوں اور مسلمانوں دونوں کا انحصار اُن اصل اور ابتدائی کتابوں کی محض نقل پر ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کا یہ دعوےٰ کہ انجیلِ مُقدّس میں فلاں فلاں آیت اِس طرح نہیں بلکہ اس طرح ہے یا فلاں لفظ ایسا نہیں اس طرح ہے بالکل بے معنی ہے کیونکہ اس نے اصل انجیل تو دیکھی ہی نہیں۔

اب نہایت اہم سوال یہ ہے کہ اگر توریت، زبُور، صحائفِ انبیاء اور انجیلِ منوّرہ حق تعالےٰ کا کلام ہیں تو قادرِ مطلق اور علیم و خبیر خدا نے اپنے لا مبدّل کلام کو کیونکر محرّف ہونے دیا؟ کیا یہ بات ممکنات میں سے ہو سکتی ہے کہ جو بات مسلمان فخریہ طور سے ناممکن قرار دیتے ہیں، یہودیوں اور مسیحیوں نے کر دی؟ کیا دنیا کے خالق و مالک خداوند ذُوالجلال نے مسیحیوں اور یہودیوں کے ہاتھوں

(نعوذ باللہ) شکست کھائی؟ کیا وہ اِتنے ہوشیار اور چالاک ثابت ہوئے کہ انہوں نے کلام کے محافظِ معلّٰے کو تحریف کی الجھن میں ڈال دیا؟ ایسے کُفر آمیز نتیجہ سے تو ہمارے معترضین بھی جھجھکتے ہونگے!

آخر میں ہم اپنے معزز قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہماری معروضات پر سنجیدگی سے غور کریں اور سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کی بجائے خود کلامِ الہٰی کا مطالعہ اور تحقیق و تفتیش کریں تاکہ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کی مدد فرمائے۔ آمین۔